OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

اختلافِ قراءات کے تفسیری اثرات: "حاشیۃ الجمل" کے منتخب مباحث کا مطالعہ

(Interpretive Effects of Variant Readings of the Quran: A Study of Selected Discussions from *"Ḥāshiah al-Jamal"*)

Abdul Nasir
Doctoral Candidate Islamic Studies, The University of Faisalabad
Qammar Aziz
M Phil Scholar Islamic Studies, Qurtuba University of Science & Information Technology, Dera Ismail Khan
Dr. Matloob Ahmad
Chairman, Department of Islamic Studies, The University of Faisalabad

Abstract

Variant readings of the Quran and their interpretive effects are discussed in different commentaries of the Quran. This paper studies the selected discussions in this regard from *Ḥāshia al-Jamal* by *Sulaimān Ibn 'Umar al-Jamal* (1204 AH), a commentary on prominent *tafsīr* work *al-Jalālayn* by *Jalāl al-Dīn al-Maḥallī* (791AH-864AH) and *Jalāl al-Dīn al-Suyūtī* (849AH-911AH). It concludes from a study of three selected verses: *al-Baqarah* 37, 148 and *Āl-e-Imrān* 81, that the frequent readings have interesting and constructive effects on *Qur'ānic* exegesis. The study finds that in the Islamic world *Qirā'āt* by the majority of *Qārīs* is common and reliable. Although the interpretations of the under discussion two variant readings are different, both are accurate and reliable in their respective positions and are included in the ten frequent readings. Therefore, accepting both as correct would be an accurate decision according to Quran and hadiths of the Prophet (ﷺ).

Key Words: Variant readings, *Tafsīr*, effects, *al-Jalālayn* , *al-Maḥall, al-Suyūtī*, *Ḥashia al-Jamal*

CC BY

تمہید

قرآن کی مختلف قراءات کے تفسیری اثرات کو مختلف مفسرین نے اپنی اپنی تفاسیر میں موضوعِ بحث بنایا ہے۔ جلال الدین محلیؒ (م864ھ) اور جلال الدین السیوطیؒ (م911ھ) کی تفسیر "الجلالین" میں بھی متعدد مقامات پر قراءات کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جلالین کے حاشیوں میں سے ایک نمایاں حاشیہ سلیمان الجمل (1204ھ)[1] کا "حاشیۃُ الجمل" ہے، جس کا اصل نام مصنف کے مطابق "الفتوحاتُ الہٰیۃ بتوضیح تفسیرالجلالین للدقائق الخفیۃ" ہے[2]، اور جس کا زمانہ تالیف عبدالرحمان بن حسن الجبرتیؒ (م1237ھ) کے مطابق بارھویں صدی ہجری ہے۔[3] اس حاشیے کو مفسرین نے جلالین کے حواشی میں سے سب سے زیادہ اہم اور قابلِ اعتماد قرار دیا ہے۔ علامہ محمد عبدالعظیم الزرقانیؒ (م1367ھ) نے جلالین کے حاشیوں میں اس حاشیے کا امتیاز بیان کرتے ہوئے لکھا: " أوسع حواشيه حاشية الجمل".[4] عبداللہ محمد الحبشیؒ نے "جامع الشروح والحواشی" میں حاشیۃُ الجمل کا تعارف کرتے ہوئے اسے سب سے بڑے حاشیہ کہا ہے۔[5] اِس حاشیے میں مولف نے دیگر مباحث کے ساتھ ساتھ اختلافِ قراءات کو کافی وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی سعی کی ہے، بنسبت امام سیوطیؒ کے وہ اسے مختصراً بیان کرتے ہیں۔ زیرِ نظر مقالے میں ہم نے حاشیۃُ الجمل علیٰ تفسیر الجلالین

---

[1] آپ سلیمان بن عمر بن منصور العجیلی المصری الازہری الشافعی ہیں۔ آپ زیادہ تر اہلِ علم کے ہاں "الجمل" کے لقب سے جانے جاتے ہیں (عبدالرزاق بن حسن الدمشقی، حلیۃُ البشر فی تاریخ القرن الثالث عشر (بیروت: دار صادر، 1413ھ)، 1: 692۔) عبدالرحمانؒ کے مطابق الجمل دراصل وہ لقب ہے، جس سے علامہ سلیمانؒ مشہور ہوئے اور **العُجَیلی** کی نسبت اُس مقام کی طرف کی گئی جس میں ان کی پیدایش ہوئی تھی۔ یہ ایک چھوٹی سے بستی کا نام ہے، جو مغربی مصر کی بستیوں میں سے ایک تھی اور اس کو عام طور پر **'بمنیۃ العُجیل'** کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ بعد میں قاہرہ جاکر تحصیل علم میں مصروف ہوگئے (الدمشقی، حلیۃُ البشر فی تاریخ القرن الثالث عشر، 2: 88۔) عمر بن رضاؒ (م1408ھ) نے "معجم المؤلفین" میں لکھا ہے کہ امام سلیمان بن عمر بن منصورؒ مسلکی اعتبار سے شافعی تھے، مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے؛ اکثر وبیشتر علماے کرام کی مجالس میں شرکت بھی کرتے تھے؛ خود بھی پائے کے عالمِ دین اور مبلغِ اسلام تھے۔ (عمر بن رضاء کحالۃ، معجم المؤلفین (بیروت: داراحیاء التراث العربی، س ن)، 4 : 271۔) شیخ سلیمان بن عمرؒ نے شادی نہیں کی، آخری ایام میں درویشی لباس زیبِ تن کرتے ہوئے دیہاتی رومال، پگڑی اور چادر پہنے رکھتے تھے، اِسی طرح زُہد اور اصلاح میں مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ مشائخ اور اولیاے کرام کے مزارات میں آمد ورفت کو باعثِ سعادت سمجھ کر تادمِ حیات جاری رکھا۔ (کحالۃ، معجم المؤلفین، 4 :271۔) گیارہ ذی القعدہ بارہ سو چار ہجری میں قاہرہ شہر میں وفات پائی۔ (لدمشقی، حلیۃُ البشر فی تاریخ القرن الثالث عشر، 1:695۔)

[2] سلیمان بن عمر بن منصور الجمل، الفتوحات الالٰہیۃ بتوضیح تفسیر الجلالین للدقائق الخفیۃ (کوئٹہ: مکتبۃ رشیدیۃ، س ن)، 1: 3؛ خیرُالدین بن محمود الزرکلیؒ (م1396ھ) نے "الاعلام" میں اسے "الفتوحاتُ الہٰیۃ" کے نام سے یاد کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ یہ حاشیہ اِس قابل تھا کہ اس کا نام الفتوحات الہٰیۃ ہی رکھا جائے۔ (خیرُالدین بن محمود بن محمد الزرکلی، الاعلام (بیروت: دارالعلم للملایین، 2002ء)، 3: 131۔)

[3] عبدالرحمان بن حسن الجبرتی، تاریخ عجائب الآثار فی التراجم والاخبار (بیروت: دارالجیل، س ن)، 2: 88۔

[4] محمد عبدالعظیم الزرقانی، مناہلُ العرفان فی علوم القرآن (قاہرۃ: مطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاہ، س ن)، 2: 303۔

[5] عبداللہ بن محمد الحبشی، جامع الشروح والحواشی (قاہرۃ: حقوق الطبع محفوظۃ للمجمع الثقافی، 1452ھ)، 3: 611۔

سے چند آیات منتخب کی ہیں، جہاں اختلافِ قراءات نے حوالے سے زیادہ بحث ملتی ہے، اور جس کی وجہ سے تفسیر پر اثر پڑتا ہے۔ حاشیۃُ الجمل کی عبارت کی توضیح کے بعد دیگر مفسرین کے اقوال کی روشنی میں قراءاتِ عشرہ متواترہ کے تفسیری اثرات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو آیات منتخب کی گئی ہیں ان میں البقرہ آیت نمبر 37 اور 148، اور اٰلِ عمران آیت نمبر 81 شامل ہیں۔

حاشیہ البقرہ آیت 37

علامہ الجملؒ اپنے حاشیے میں سورۃُ البقرہ کی آیت 37 فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ کی تشریح کرتے ہوئے قراءاتِ عشرہ متواترہ کے تفسیری اثرات کو درج ذیل الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

> (قوله وفی قراءة)ای لابن كثير بنصبِ آدم ورفع كلمات علىٰ انها فاعل وآدم مفعول.وقرأ الباقون برفع آدم مع النصب كلمات اسنادا للفاعل لآدم ۔[6]
>
> قوله وفی قراءة،یعنی ابن کثیر نے لفظِ "آدمَ" کو نصب یعنی مفعول بنایااور لفظِ "کلماتٌ" کو رفع کے ساتھ فاعل بنا کر پڑھا ہے۔ اور باقی قراءِ کرام نے لفظِ "آدم" کو مرفوع یعنی فاعل بنایاجب کہ لفظِ "کلمات" کو منصوب یعنی مفعول بنا کر پڑھا ہے۔

اِس آیت میں دو قراءاتِ متواترہ پائی جاتی ہیں: پہلی قراءت میں لفظِ "آدم" کو فاعل اور "کلمات" کو مفعول بنایا گیا ہے اور دوسری قراءت میں لفظِ "آدم" مفعول اور "کلمات" فاعل ہے۔[7] اس اختلافِ قراءات کی وجہ سے علامہ الجملؒ نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ حقیقی طور پر "تلقیٰ آدمُ للکلمات" کا مفہوم یہ ہو گا کہ حضرت آدمؑ نے اُن کلمات کو ملنے کا خُوش دلی کے ساتھ استقبال کیا اوران کی ضرورت پڑنے کی صورت میں اُن پر عمل بھی کیا۔ اور "تلقیٰ الکلماتُ لآدم" کا مفہوم یہ ہو گا کہ وہاں سے اُن خاص کلمات کا حضرت آدمؑ کے لیے مل جانا اور اُن کے ساتھ متصل ہونا (در حقیقت آدمؑ کے لیے ایک بڑی کامیابی کا موقع تھا)، اور یہ دونوں معانی مجازی طور پر استعمال ہوئے ہیں، اس لیے کہ لفظِ "تلقیٰ" حقیقی طور پر اُس جملہ کا استقبال کرتا ہے، جو اُس کے بعد آتا ہے۔ در حقیقت اس نازک موقع پر حضرت آدمؑ، اماں حواءؑ کے ساتھ اُن کلمات کے توسل میں یقیناشریک تھیں۔ مثال کے طور پر سورۃُ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا۔۔۔[8] اور یہاں پر اماں حواء علیہا السلام حکماً حضرت آدمؑ کے تابع ہیں، اوراِسی وجہ سے قرآن اور سنت کے اکثر مقامات میں عورتوں کا تذکرہ نہیں کرتے۔ الجملؒ مزید فرماتے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق یہی کلمات "سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك لااله

---

[6] الجمل، الفتوحات الالٰہیۃ بتوضیح تفسیر الجلالین للدقائق الخفیۃ، 1: 44۔

[7] ابوالخیر شمس الدین محمد بن محمد بن الجزری، النشر فی القراءات العشر (بیروت: المطبعۃ التجاریۃ الکبریٰ، س ن)، 2: 159؛ ابوالحسن علی بن محمد بن سالم النوری الصفاقسی، غیث النفع فی القراءات السبع (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1425ھ)، 38؛ ابوعبداللہ محمد بن شریح ، الکافی فی القراءات السبع (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1421ھ)، 62۔

[8] الاعراف 7: 23۔

الانت ظلمتُ نفسی فاغفر لی انه لایغفر الذنوب الا انت"دعائے مستجاب بنے تھے۔[9] مزید تفسیری اثرات کے بارے فرمایا گیاہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو توبہ کرنے کے لیے کلمات سکھائے۔ پس انھوں نے یقینی طور پر اپنے رب سے وہ کلمات سیکھے؛ انھی بابرکت کلمات کے ذریعے سے تائب ہوئے۔ سُو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی توبہ کو ہر حال میں شرفِ قبولیت سے نوازا اور آپؑ سے جو لغزش ہوئی تھی، اس کو بھی معاف فرمادیا۔ امام الطبریؒ (م310ھ) فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث میں بھی "فتلقیٰ آدمُ من ربه کلمات "والے کلمات کا ثبوت ملتاہے کہ رفعِ لغزش کے لیے حضرت آدم اور حضرت اماں حواء علیہما السلام کو رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ[10] کے الفاظ یاد کروائے گئے تھے۔[11] اوراہلِ تاویل علمائے سلف و خلف کے نزدیک زیادہ معتبر یہ ہے کہ لفظِ "آدم" کو فاعل جب کہ لفظِ "کلمات" کو مفعول بنایاجائے۔ اور ہر اُس کام پر اعتراض کی گنجایش باقی نہیں رہناچاہیے، جس پر علماے کرام کا اجماع ہو جائے، اگرچہ اس میں سَہو اور خطا کا احتمال جائزہے۔[12] مزید علامہ السمین الحلبیؒ (م756ھ) فرماتے ہیں کہ امام بن کثیر مکیؒ (م120ھ) نے لفظِ "آدم" کو نصب جب کہ "کلمات" کو رفع کے ساتھ پڑھاہے، اِس صورت میں مفہوم یہ ہو گا کہ جس نے آپ سے ملاقات کی تو یقینی طور پر آپ کی بھی ان سے ملاقات ضرور کی ہو گی۔ پس درست بات یہ ہے کہ فعل کی نسبت ہر ایک کی طرف کی جائے۔ اور کہا گیاہے کہ جب کلمات، توبہ کے لیے سبب بنے تو اس کو فاعل بنایا جائے۔ اور اِس قراءت میں فعل کو مؤنث نہیں بنایا گیا۔ اوراگر فاعل مؤنث غیر حقیقی یا مؤنث مجازی ہو تو اس صورت میں فعل کو مؤنث لانا جائز ہو گا۔[13]

دونوں قراءات کا مفہوم ایک دوسرے سے ظاہر ہے؛ بغیر کسی نقص کے مکمل ہونے والے ہیں۔ دونوں قراءتوں کے معانی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے۔ سُو وہ توبہ جس کو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ پر احسان کیا، اپنے قول "فتلقی آدم من ربه کلمات فتاب علیه انه هو التواب الرحیم" میں اس کا فائدہ دو حکموں کے لیے ہے کہ دونوں حکم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے۔ اول یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمت اور ساتھ ہی اُن کلمات کے ذریعے سے آدمؑ کی تعلیم کا ارادہ بھی کیا گیا اور اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدمؑ کی طرف ارسال بھی کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ آدم علیہ السلام نے ان کلمات کو سیکھنے کے بعد ان پر عمل کرکے بھی دکھادیا کہ حکمِ خداوندی کو ہر حال میں بجالانا ہر ایک نبی اللہ و رسول کا کام ہے۔[14]

امام ابن زنجلہؒ (م403ھ) یوں فرماتے ہیں کہ ابن کثیر مکیؒ کی قراءت کے مطابق کلمات کو فاعل جب کہ آدم کو مفعول بنایا گیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ وہ کلمات جو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی طرف الہام کیے تھے، انھی کے ذریعے سے وہ اپنے رب سے دعا

---

[9] الجمل، الفتوحات الالٰہیۃ بتوضیح تفسیر الجلالین للدقائق الخفیۃ، 1: 44۔

[10] الاعراف 7: 23۔

[11] ابو الفداء حافظ عمادالدین الدمشقی بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دارالفکر، 1997ء)، 1:147؛ عبدالرحمان بن ابی بکر، جلال الدین السیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور (بیروت: دارالفکر، س ن)، 1:59؛ محمد بن علی الشوکانی، فتح القدیر (دمشق: دارابنِ کثیر، 1414ھ)، 1 : 58۔

[12] ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، جامع البیان عَنْ تاویل آی القرآن (بیروت: المؤسسۃ الرسالۃ، 1420ھ)، 1:317۔

[13] ابو العباس شہاب الدین احمد بن یوسف السمین الحلبی، الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون (دمشق: دارالقلم، س ن)، 1: 295۔

[14] دکتور عبد الواحد سُوزان، الاختلافُ فی القراءات القرآنیۃ واثرہ فی المعنی (جامعۃ الانبار للعوم الاسلامیۃ، 1430ھ)، 2:6۔

اور مغفرت طلب کرتے تھے۔ یہی کلمات آدمؑ کی نجات اور توبہ کا سبب بنے تھے۔ پس یہاں لفظ کلمات فاعل ہے اور لفظِ آدم مفعول ہے۔ بہر حال جمہور قراءِ کرام کی قراءت کے مطابق لفظِ آدم فاعل اور لفظِ کلمات مفعول ہے۔ یہ قراءت اِس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ آدمؑ نے اپنے رب سے بنفسِ نفیس خُود ان کلمات کو سیکھ لیا، ان کو اخذ کیا، ان کو حفظ کیا، سمجھا اور اُن کلمات کے ذریعے سے دعا کی، کیونکہ یہ کلمات آدمؑ کے لائق تھے۔ یہ وہی کلمات تھے جن کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا مُستجاب ہو کر مقبول ہو گئی، اور اُن کو بارگاہِ خداوندی میں پیش کیا گیا۔ یہ صحیح روایت کے مطابق "رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ" والے کلمات تھے۔[15]

المنیراوی اپنی کتاب "اثر اختلاف الاعراب فی تفسیر القرآن" میں فرماتے ہیں کہ دکتور عبد اللہ الملاحیؒ نے دو قراءات کو جمع کیا۔[16] اس جمع کرنے کی وجہ سے ہر ایک قراءت دوسری سے ایک مکمل معنی و مفہوم رکھتی ہے۔ اِس حیثیت سے حضرت آدمؑ اللہ تعالیٰ سے استغفار اور اِنابت طلب کرنے میں حرص کرتے تھے۔ یہی حرص کرنا ہی سبب بنا اللہ تعالیٰ کی محبت اور اپنے لیے خاص کرنے کا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُن کو کلمات الہام فرمائے، سُو انھی کلمات کے ذریعے سے وہ دعا مانگتے تھے۔ اور اُنھی کو سیکھتے بھی تھے اور اُن کلمات کو سیکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عزوجل نے اُن کی توبہ کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا۔[17]

حاشیہ البقرہ آیت148

البقرۃ کی آیت148 وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ کا حاشیہ ہے:

> (قوله هومولیها)بکسراللام فی قراءة غیرابنِ عامرعلیٰ ان الفاعل مستترعائد علیٰ هو وهوعائد علیٰ کل.والمعنی کمااشارالیه الشیخ المصنف ولکل فریق وجهة ذالك الفریق مولیها نفسه،فالمفعول الثانی محذوف لفهم المعنیٰ.(قوله وجهه)هذا هوالمفعول الثانی لاسم الفاعل وهو مولیها،والاول الضمیر.وقوله وفی قراءة الخ۔[18]
>
> (قوله هومُوَلِيهَا) میں امام بن عامر شامیؒ کی قراءت کے علاوہ باقی تمام قراءِ عشرہ نے لام کو کسرہ دے کر اسمِ فاعل کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اِس صورت میں فاعل مستتر ہو گا، جو عود کرے گا لفظِ "کُلٍ" کی طرف ۔ اور مفہوم یہ ہو گا جس کی طرف حضرت الشیخؒ نے اشارہ فرمایا کہ وہاں ہر فریق کے لیے ایک قبلہ ہو گا، جس کی طرف وہ لوگ بذاتِ خود رُخ کریں گے، پس اِس صورت میں فہمِ معنیٰ کے لیے مفعولِ ثانی محذوف ہو گا۔ اور (قوله وجهه) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ اسمِ فاعل (هومولیها) کے لیے مفعولِ ثانی ہے، اور مفعولِ اول ضمیر ہے۔

---

[15] ابوزرعۃ عبد الرحمان بن محمد بن زنجلہ، حجۃ القراءات (بیروت: دار الرسالۃ، س ن)، 95؛
ابو عبد اللہ الحسین بن احمد بن خالویہ، الحجۃ فی القراءات السبع (بیروت: دار الشروق، 1401ھ)، 237۔

[16] علامہ عبد اللہ الملاحی، تفسیر القرآن بالقراءات القرآنیۃ العشر (الناشر اور سن معلوم نہیں)، 74۔

[17] دکتور یوسف المنیراوی، اثر اختلاف الاعراب فی تفسیر القرآن سورۃ الفاتحۃ الیٰ سورۃ النساء (غزۃ: الجامعۃ الاسلامیۃ، 1430ھ)، 73۔

[18] الجمل، الفتوحات الالٰہیۃ بتوضیح تفسیر الجلالین للدقائق الخفیۃ، 1: 121۔

اِس توضیح سے معلوم ہوا کہ "مَوْلٰھَا" پڑھنے کی حالت میں یہ اسمِ مفعول ہو گا، یعنی اُس کی طرف مصروف اور محول ہونے کی صورت میں ایک ضمیر مستتر ہو گی، جو نائبُ الفاعل ہونے کے ساتھ ساتھ مفعولِ اول بھی بنے گی، اور ہائے ضمیر مفعولِ ثانی ہو گی۔ اگر وہ محلِ جر میں ہو تو اضافت کے ساتھ آئے گی اور اگر محلِ نصب میں ہو تو کم از کم مفعول ہونے کی وجہ سے ہو گی، اور عام طور پر اعمال کی وجہ سے نصب دیا جاتا ہے، جس کا ذکر گزر چکا ہے اور زیر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ہر وہ کام جو اسم کے لیے ہوتا ہے، حقیقت میں وہ فاعل ہی بنتا ہے۔ اس آیتِ میں عام طور پر قراءِ عشرہ کے ہاں دو قراءتوں کا ذکر ملتا ہے، جو درج ذیل ہیں:

☆ (مُوَلِّیْہَا) یعنی اسمِ فاعل کے صیغہ سے پڑھا گیا ہے۔ یہ امام ابن عامر شامیؒ کے علاوہ تمام قراءِ کرام کی قراءت ہے

☆ (مَوْلَاھَا) یعنی اسمِ مفعول کے صیغہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ امام عبد اللہ بن عامر شامیؒ کی قراءت ہے۔[19]

ابن خالویہؒ (م370ھ) نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: (ھُوَمُوَلِّیْہَا) کو امام ابنِ عامر شامیؒ نے "مَوْلَاھَا" پڑھا ہے۔ اس بارے میں دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ لفظِ "اَلمَوْلیٰ" مفعول بہ ہے۔ صیغہ کی اصل "مَوْلِیُھَا" ہے۔ جب یا کو حرکت دی گئی تو اس وقت صرفی قاعدہ کے تحت یا الف سے تبدیل ہو گئی، جمہور قراء کی دلیل یہ ہے کہ جنھوں نے یا اور لام دونوں کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب 'مَوْلیٰ' نے ارادہ کیا کہ اپنا چہرہ اُن کی طرف کر لے تو ایک ہائے ضمیر کو محذوف ماننا پڑا اور لفظِ "المَوْلِیْہَا" یہاں فاعل ہے۔[20] نیز ہر قوم کے لیے ایک قبلہ مقرر کیا گیا، جس کی طرف وہ متوجہ ہوتے ہیں۔ باقی قراء نے (مُوَلِّیْھَا) پڑھا ہے، اِس کا مفہوم یہ ہو گا کہ وہ لوگ اس کی پیروی کرنے والے اور راضی ہونے والے ہیں۔ جمہور قراء کی دلیل ابنِ مجاہد کی تفسیر میں اس طرح سے آئی ہے: "وَلِکُلٍّ وِّجْہَۃٌ ھُوَمُوَلِّیْہَا" یعنی ہر مذہب والوں کے لیے ایک قبلہ ہے۔ اور "ھُوَ مُوَلِّیْھَا" درحقیقت ان کا اصل مستقبل ہے جس کی طرف وہ لوگ رُخ کر کے کسی بھی قسم کی عبادات کو بجالاتے ہوئے سر بسجود ہوتے ہیں۔[21]

قراءات کے تفسیری اثرات

قراءاتِ متواترہ کے تفسیری اثرات: اللہ تعالیٰ کا فرمانِ گرامی "وَلِکُلٍّ وِّجْہَۃٌ" میں وِجْہَۃٌ فِعْلَۃٌ کے وزن پر آیا ہے اِس کا مصدر کسی بھی شکل میں آجائے واحد کا معنی دے گا۔ وِجْھَۃٌ سے مراد قبلہ ہی ہے، یعنی وہ لوگ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے تو آپ بھی ان کے قبلہ کی پیروی نہ کریں۔[22] یہ قبلہ یا تو حق کے لیے ہو گا یا خواہش کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کا قولِ ثانی

---

[19] احمد بن موسیٰ بن مجاہد، کتاب السبعۃ فی القراءات، (مصر: دار المعارف، 1400ھ)، 171؛ ابو محمد مکی بن ابی طالب القیسی، الکشف عن وجوہ القراءات السبع وعللہا وحججہا (بیروت: المؤسسۃ الرسالۃ، 1404ھ)، 1: 267۔

[20] ابنِ خالویہ، الحجۃ فی القراءات السبع، 90؛ ابن مجاہد، کتاب السبعۃ فی القراءات، 172۔

[21] ابنِ زنجلہ، حجۃ القراءات العشر، 117۔

[22] ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح للبخاری، (بیروت: دار ابن کثیر، 1422ھ)، 4: 1236، رقم الحدیث: 4222؛ سعید ابن منصور، التفسیر من سنن سعید بن منصور (الریاض: دار الصمیعی للنشر والتوزیع، 1417ھ)، 1: 229؛ عبد اللہ ابو بکر بن ابی شیبۃ، الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار (الریاض: مکتبۃ الرشد، 1409ھ)، 1: 295۔

(هُوَمُوَلِّيْهَا)هُوَ ضمیر کا مرجع لفظِ کُلٌ ہے نہ کہ اس کا معنی و مفہوم۔ اگر هُوَ ضمیر کا مرجع کُل کے معنی پر ہوتا تو عبارت: "هُمْ مُوْلُوْهَاوُجُوْهَهُمْ" ہوتی ۔ مذکورہ عبارت کے مطابق الف کو مفعولِ اول جب کہ مفعولِ ثانی کو محذوف ماننا پڑتا تھا،یعنی هُوَمُوَلِّيْهَا وَجْهَهُ وَنَفْسَهُ۔ اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ ہر مذہب کے ماننے والوں کے لیے ایک قبلہ ہے، صاحبِ قبلہ اپنے چہروں کو اس طرف موڑتے رہتے ہیں۔ امام علی بن سلیمانؒ نے فرمایا کہ مُوَلِّيْهَا سے مراد مُتَوَلِّيْهَا ہے۔[23] امام القرطبیؒ (م671ھ) کی توضیح کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور امام عبداللہ بن عامر شامیؒ نے (مَوْلَاهَا) کو اسمِ مفعول بنا کر پڑھا۔ اِس قراءت کی بنیاد پر ضمیر واحد کے لیے ہو گی۔یعنی لوگوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک قبلہ ہے، جس کی طرف وہ مصروف رہتے ہیں۔ امام الزجاج نحویؒ فرماتے ہیں[24] یہ ممکن ہے کہ ایک جماعت کی قراءت کی روشنی میں (هُوَ) ضمیر اللہ کا نام ہو، اس وقت ظاہر بات یہ ہے کہ فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ معنی و مفہوم یہ ہے کہ ہر مذہب کے لیے اللہ کی طرف سے ایک قبلہ مقرر ہے جس کی طرف وہ متوجہ ہو کر عبادت کرتے رہتے ہیں۔[25]

القرطبیؒ لکھتے ہیں کہ جمہور قراء کی قراءت "هُوَمُوَلِّيْهَا" اسم فاعل عام ہے، کیونکہ اس کا مرجع لفظِ کُلٌ ہے، اور امام ابن عامر شامیؒ کی قراءت "مَوْلَاهَا" اسم مفعول خاص ہے، کیونکہ فرمایا گیا کہ لوگوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک خاص قبلہ ہو گا جس کی طرف وہ مختلف قسم کی عبادات کرتے رہتے ہیں۔ جب ہم اِس آیت کی دو قراءات کو نظرِ عمیق سے دیکھتے ہیں تو ہمیں ایک خوبصورت زَنبیل ملتی ہے، جس کے ذریعے سے بلاغتِ قرآن اور اعجازِ قرآن کو کماحقہ کامل اور جلی انداز سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ بیشک تمام لوگ قبلہ کے ماننے والے ہیں کہ جس کی طرف وہ متوجہ ہو کر عبادت کرتے ہیں۔ یہ بھی وضاحت ملتی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنی عبادات میں قبلہ کی طرف منہ کریں۔ "الوجهة" سے مراد وہ قبلہ ہے جس کا ارادہ اللہ سبحانہ نے بذاتِ خود کیا ہے۔ یہاں وجھۃٌ سے وہ مراد نہیں جو ایک بندہ کسی دوسرے بندے کی طرف متوجہ ہو کر بات کرتا ہے۔ اور بھی توضیح ملتی ہے کہ بے شک بندہ قبلہ کی طرف رُخ کرنے میں وہ تبدیلی اختیار کرے گا جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہو اور بنیادی طور پر بھی ایسا عمل کرے گا جو اس کے ایمان اور اطاعتِ ربی پر دلالت کرنے والا ہو۔[26]

در حقیقت وہ قبلہ ہو گا جس کی طرف بندہ متوجہ ہوتا ہے، بیشک خدائے وحدہ لاشریک کا بندہ اللہ کے حکم اور اپنے ارادے سے متوجہ ہو گا۔ فرق اتنا ہے کہ جب آدمی صرف اپنے ارادے سے متوجہ ہو تو یہ مجازًا ہو گا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے متوجہ ہو تو یہ حقیقتًا ہو گا۔ "مُوَلِّيْهَا" اسم فاعل کے صیغے سے جب وہ بندۂ خدا اپنے ارادے اور کوشش سے متوجہ ہونے والا ہوتا ہے

---

[23] ابو الحسن علی بن سلیمان بن الفضل النحوی البغدادی، وہو الاخفش الصغیر مشہور؛ محمد بن یعقوب بن ابراہیم الفیروزآبادی، البلغۃ فی تراجم ائمۃ النحو واللغۃ (ریاض: دار سعد الدین للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1421ھ)، 153۔

[24] ابو اسحاق ابراہیم بن السری بن سہل الزجاج ،کان فاضلا، المصنفات الحسنۃ منھا کتاب معانی القرآن وغیرہ تُوفی، فی جمادی الاولیٰ سنۃ احدی عشرۃ و ثلاثمائۃ؛ ابو الفداء اسماعیل بن عمر القرشی بن کثیر، البدایۃ والنہایۃ (بیروت: دار الفکر، 1407ھ)، 11: 158 -159 ۔

[25] شمس الدین محمد بن احمد القرطبی، جامع لاحکام القرآن (قاہرۃ: دار الکتب المصریۃ، 1384ھ)، 2: 164-165؛ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، جامع البیان فی تاویل آی القرآن (بیروت: المؤسسۃ الرسالۃ، 1420ھ-2000ء)، 2:29۔

[26] حسن عبد الجلیل، مِنْ اوجہ القراءات القرآنیۃ ابدال الحروف واثرہ فی التفسیر (اُردن: المجلۃ الاردنیۃ فی الدراسات الاسلامیہ، 1427ھ)، 8۔

اور "مَوْلَاهَا" اسمِ مفعول کے صیغے سے تو مفہوم یہ ہو گا کہ اس کو متوجہ کیا جائے گا، صرف اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کے امر کی طرف اور اسی طرح قرآن کی تصریح بندے کے ارادے کی موجودگی میں ہوتی ہے۔ حقیقت کی نفی نہیں کی جائے گی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام افعال کا خالق ہیں۔ (اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے کاموں کو تخلیق بخشی) اور جب بھی اللہ کا ارادہ اور بندے کا ارادہ جمع کرنا مقصود ہو تو دونوں قراءتوں کے بغیر مشکل ہے، اور ایک قراءت کے لانے سے جملہ مستقل نہیں ہوتا اور کلام نامکمل رہتا ہے۔[27]

حاشیہ ال عمران آیت 81

اٰلِ عمران کی آیت نمبر 81 وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ کا حاشیہ ہے:

(قوله وماموصولة علىٰ الوجهين) وعلىٰ الاول هى مبتدء وقوله من كتاب وحكمة بيان لها وآتيتكم صلها والعائد مقدر.وقوله ثم جاءكم معطوف علىٰ الصلة فهوصلة والعائد منه قيل مقدر أى جاءكم به وقيل الربط حاصل باعادة الموصول بمعناه فى قوله لمامعكم.والخبرمحذوف،تقديره تؤمنون به وتنصرونه،اى بالرسول المذكور۔[28]

دونوں وُجوہ کے اعتبار سے لفظِ "ما" کو موصولہ مانا گیا ہے۔ وجہِ الاول کی بنا پر اِس کو مبتدا مانا جائے گا اور "مِنْ کتاب وحکمۃ" اِس کا بیان اور فعلِ "آتیتُکُمْ" اِس کا صلہ ہو گا۔ کسی نے کہا کہ ضمیرِ عائد مقدر ہو گی، تقدیری عبارت "جاءکم به" ہو گی، اور کسی نے کہا ہے کہ اِس میں ایک ربط ہے، جو موصول کے اعادہ سے حاصل ہوتا ہے، اِس صورت میں اس کا معنی "لمامعکم" والا ہو گا۔ اور خبر کو محذوف ماننے کی صورت میں تقدیری عبارت ہو گی کہ اُن پر ایمان بھی لانا ہے اور اُن رسولوں کی مدد بھی ہر حال میں کرنی ہے۔

اس آیت میں قراءات متواترہ سے دو مشہور قراءتوں کا تذکرہ ملتا ہے:

☆ (لِمَآ آتَيْتُكُمْ) لام کو کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ امام حمزہ الکوفیؒ کی قراءت ہے

☆ (لَمَآ آتَيْتُكُمْ) لام کو فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ باقی نو قراءِ عشرہ کی قراءت ہے۔[29]

قراءات کے تفسیری اثرات

مشہور ماہرِ قراءات اِمام ابنِ خالویہؒ کے اقوال کی روشنی میں درست معنوں میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ کسرہ والی قراءت کی دلیل یہ ہے کہ لام کو حرفِ جر جبکہ (مَا) کو اسمِ موصول مبنی بر سکون پڑھا گیا، کیوں کہ یہ محلِ جر میں ہے، لہٰذا (الذی) کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اِس قراءت کی روشنی میں آیت کی تاویل اور اعراب کو دو وجوہ سے دیکھتے ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد اِس وجہ سے لیا تھا کہ اُن کو کتاب اور حکمت دی ہیں۔ پھر اُس کے بعد اگر تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف

---

[27] دکتور محمد الحبش المصری، القراءات المتواترۃ واثرھا فی الرسم القرآنی والاحکام الشریعۃ (دمشق: دار الفکر، 1419ھ)، 143۔

[28] الجمل، حاشیۃ الجمل علیٰ تفسیر الجلالین، 1: 292۔

[29] ابن الجزری، النشر، 2: 181؛ عبد الفتاح بن عبد الغنی القاضی، البدور الزاہرۃ فی القراءات العشر المتواترۃ من طریقی الشاطبیۃ والدرۃ (بیروت: دار الکتب العربی، س ن)، 67۔

سے رسول آئیں تو بھرپور طریقے سے اُس کی تصدیق محمد ﷺ کے نام سے کرنا، اِس لیے کہ محمد ﷺ کا نام اُن کی کتاب تورات میں مذکور تھا کہ یقینی اور لازمی طور پر ان پر ایمان لانا۔ دوسرے یہ کہ مذکورہ عبارت میں لفظِ مِیثَاقَ بمنزلہ اِستِخلَافُ کے ہے، جس کا مفہوم یہ ہو گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حلف لیا نبیوں سے ان لوگوں کے لیے جن کو کتاب اور حکمت دی کہ جب تمھارے پاس رسول ﷺ آئیں جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرنے والے ہوں تو لازمی طور پر ان پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اُن کی مدد اور حمایت کرنی ہے۔[30]

اِمام الطبریؒ نے فتحہ والی قراءت کی دلیل دیتے ہوئے (ل) اور (ما) دونوں کو دو مختلف زاویہ سے دیکھا ہے۔ اول یہ کہ لام کو ابتدائیہ جب کہ (ما) کو اسم موصول (الذی) کے معنی میں لیا ہے، محلِ رفع میں ہونے کی وجہ سے مبتداء ہے۔ اس کے بعد والا فعل (آتَيْتُكُمْ) اسمِ موصول کا صلہ ہے اور اِس فعل میں ایک ضمیرِ عائد محذوف ہے۔ تقدیری عبارت ہو گی: آتیتکموہ، وخبرالمبتدء جملةٌ (لتؤمنن به۔ مفہوم یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا نبیوں پر ان لوگوں سے کہ جب وہ تمھارے پاس آئیں تو تم پر لازم ہے کہ اُن پر ایمان لانا۔ پس اِس بات کو بھی جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یقینی طور پر بغیر کسی وسیلے وغیرہ کے تمام انبیاء ورُسُل سے عہد لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ عہد لینا انفرادی نہیں تھا بلکہ اجتماعی تھا کہ تم ایک دوسرے پر ایمان لانا اور ایک دوسرے کی مدد بھی کرنا اور اس کو حکمِ خداوندی سمجھ کر عمل کرنا؛ اسی میں تمھاری لیے فلاح اور ہمیشہ کی کامیابی اور کامرانی ہو گی۔[31] دوسرے یہ کہ لام کو قَسَمِیَہ مانا گیا اور لفظِ (مَا) کو اسمِ شرط مان کر محلِ نصب میں فعلِ (آتيتُكُمْ) کے لیے مفعول بہ ثانی بنایا۔ اِس حیثیت سے مفعولِ اول مخاطب کی ضمیر ہے، جو فعل کے ساتھ متصل ہے۔ کلام کا مفہوم یہ ہو گا کہ کوئی بھی چیز جب تم کو دے دی جائے تو خواہ وہ شرطیہ طور پر کوئی کتاب اور حکمت ہی کیوں نہ ہو؟ اس پر ایمان لانا لازمی اور عمل کرنا فرض ہے۔[32] نیز یہ بھی فرمایا گیا ہے:"واخيرًا رجع الامام ابو جعفر الطبری قراءة المجهور "[33] آخر میں امام الطبریؒ نے جمہور قراءِ کرام کی قراءت یعنی نصب والی قراءت کو راجح قرار دے کر اِسی پر عمل کیا ہے۔

خلاصہ بحث

البقرۃ آیت 37 کے تفسیری اثرات کو دیکھیں تو پہلی قراءت کی بنیاد پر لفظِ "کلمات" کو فاعل اور "آدم" کو مفعول بنایا گیا، یہ وہی کلمات تھے جن کے ذریعے سے حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت ودُعا مانگ لینے کے ساتھ اُن کی نجات اور توبہ کا سبب بھی بنے تھے۔ دوسری قراءت کے مطابق لفظِ "آدم" فاعل اور "کلمات" مفعول ہو گا۔ یعنی بابائے آدم علیہ السلام نے بذاتِ خود

---

[30] ابن خالویہ، الحجۃ فی القراءات السبع، 111؛ القیسی، الکشف عن وجوہ القراءات وعللھا، 1: 81؛ ابن زنجلہ، حجۃ القراءات، 168؛ الطبری، تفسیر جامع البیان عن تاویل آی القرآن، 3: 405۔

[31] الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، 3: 405؛ ابراہیم بن السر بن سہل الزجاج، معانی القرآن واعرابہ (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1408ھ-1988ء)، 1: 437؛ القیسی، الکشف عن وجوہ القراءات السبع، 1: 81؛ الطبری، تفسیر الطبری، 3: 404۔

[32] ابن زنجلہ، حجۃ القراءات، 169؛ شہاب الدین محمود بن عبد اللہ الآلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1415ھ)، 3: 336؛ ابو حیان محمد بن یوسف الاندلسی، البحر المحیط فی التفسیر (بیروت: دار الفکر، 1420ھ)، 2: 533۔

[33] الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، 3: 405۔

اللہ عزوجل سے یہ کلمات سیکھ لیے تھے۔ اُن کو لینے کے بعد حفظ کیا اور انھی کے ذریعے سے دعا بھی کی وہ کلمات رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ تھے۔

البقرۃ آیت 148 میں پہلی قراءت کی بنیاد پر لفظِ "مَوْلَاهَا" کو اسمِ مفعول بنایا گیا۔ کلام کا مفہوم یہ ہو گا کہ اقوام میں سے ہر ایک کے لیے ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ اپنے چہرے کرکے عبادت کرتے رہتے ہیں، دوسری قراءت کی بنیاد پر "هُوَ مُوَلِّيْهَا" کو اسم فاعل کے ساتھ پڑھا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اسم فاعل کے صیغے سے جب اللہ تعالیٰ کا بندہ اپنے ارادے اور کوشش سے متوجہ ہونے والا ہوتا ہے تو وُہ جب بھی اچھا یا بُرا کام کرے گا اس کا ذمہ دار بھی خود ہو گا، کیوں کہ وہ بذاتِ خود اُس کام کا فاعل ہے۔

اٰلِ عمران آیت 81 کے تفسیری اثرات کا حاصلِ بحث یہ ہے کسرہ والی قراءت امام حمزہ کوفیؒ کی قراءت ہے اور اس کے مطابق مفہومِ کلام یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بھی کوئی چیز تمھیں عنایت کر دی جائے تو خواہ شرطیہ طور پر کوئی کتاب ہی کیوں نہ ہو؟ اُس پر ایمان لانا ضروری اور عمل کرنا فرض ہے۔ مزید فرمایا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حلف لیا اپنے نبیوں سے ان لوگوں کے لیے جن کو کتاب اور حکمت دی کہ جب تمھارے پاس رسولِ اکرم ﷺ آئیں جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرنے والے ہوں تو یقینی طور پر اس پر ایمان لانے کے ساتھ اُس کی مدد بھی کرنا تم پر فرضِ عین ہے۔ فتحہ والی قراءت جمہور قراءِ کرام کی قراءت ہے، اس کی بنیاد پر کلام کا مفہوم اس طرح سے ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا ان لوگوں سے اپنے رسولوں اور نبیوں کے لیے کہ جب وہ تمھارے پاس آئیں تو لازمی طور پر اُن پر ایمان لانا۔ سُو اِس بات کو بھی جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لازمی طور پر بغیر کسی وسیلے وغیرہ کے تمام انبیاء اور رسولوں سے عہد لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ عہد لینا انفرادی نہیں بلکہ مجموعی تھا کہ تم ایک دوسرے پر ایمان لانا اور ایک دوسرے کی مدد بھی کرنا، اور اس کو اللہ کریم کا حکم سمجھ کر عمل کرنا، اِسی میں تمھاری فلاح اور ہمیشہ کی کامیابی اور کامرانی مضمر ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد اِس وجہ سے لیا تھا کہ اُن کو کتاب اور حکمت دی ہیں۔ پھر اُس کے بعد اگر تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آئیں تو بھرپور طریقے سے اُس کی تصدیق محمد ﷺ کے نام سے کرنا، اِس لیے کہ رسولِ مکرم ﷺ کا اسمِ گرامی اُن کی کتاب تورات میں مذکور تھا، کہ یقینی اور لازمی طور پر ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالمِ اسلام میں جمہور قراءِ کرام کی قراءت مروج اور قابلِ اعتماد ہے۔ بہرحال دونوں قراءات کی تاویلات الگ الگ ہیں۔ دونوں اپنے اپنے مقام میں درست اور قابلِ بھروسہ اور قراءاتِ عشرہ متواترہ میں شامل ہیں۔ لہٰذا دونوں کو صحیح سمجھ کر تسلیم کرنا قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ ﷺ کی رُو سے درست فیصلہ ہی ہو گا۔